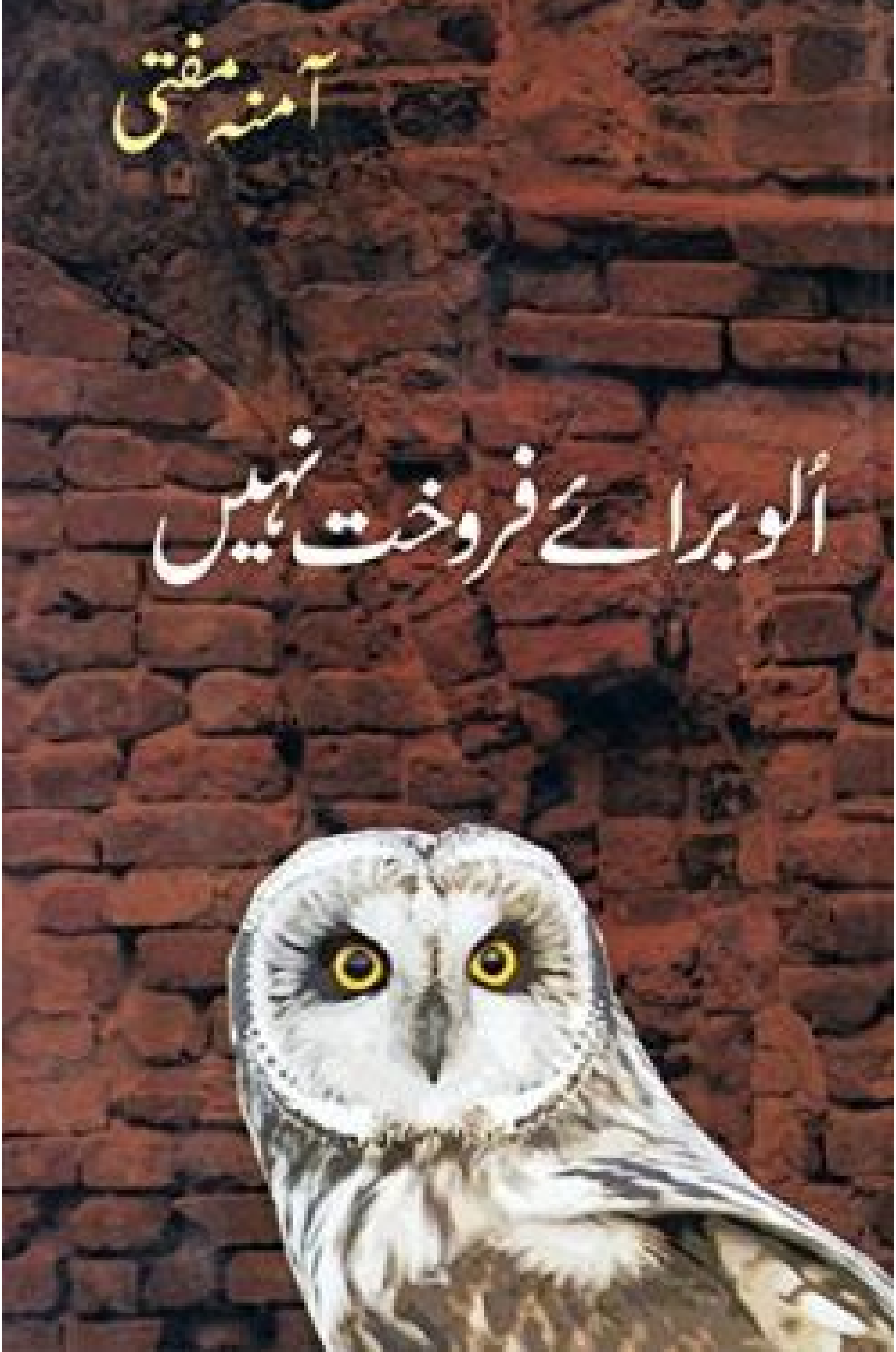
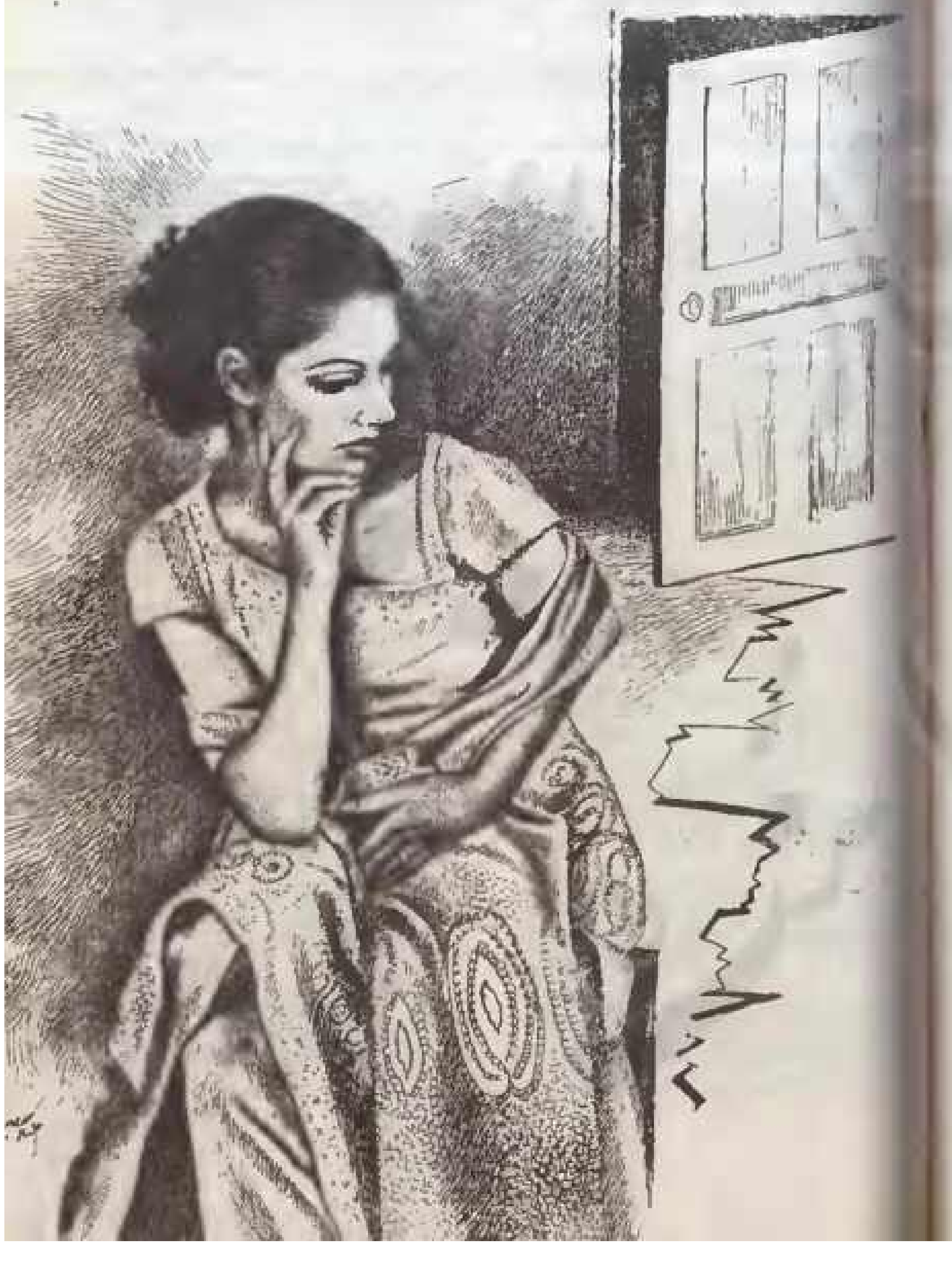

آمنہ مفتی
اُلو برائے فروخت نہیں



آمنہ مفتی



مغلئی طرز کی بارہ دری کے بیرے والے در سے آسیہ نے نیچے گلی میں جھانکا‘ وہ روز کی طرح وہیں بیٹھا تھا۔ آسیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"اللہ۔" اس نے ایڑیوں سے اٹھتی سنسناہٹ کو دبانے کے لیے انگلیاں موڑیں۔

آسمان پہ گرد کی یہ موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ گرمی غضب کی تھی۔ کوئی لو کا جھونکا آتا تو ذرا جان میں جان آتی‘ ورنہ پسینہ بہہ بہہ کر حال بے حال تھا۔ دوسری منزل کی اس بارہ دری میں کون سا امن تھا بلکہ چھت پر تو گرمی اور بھی زیادہ تھی۔ یہاں شام کو ضرور امن ہو جاتا تھا یا علی الصبح جب پانی کی ٹنکی پر رہنے والے کبوتر دانے کی تلاش میں یہاں آتے تھے اور منڈیروں‘ ممٹیوں اور چھجوں پر بیٹھ کر غٹرغوں کرتے تھے۔ اس وقت یہاں ایسی ٹھنڈک ہوتی تھی کہ کئی دفعہ تو وہ چھت کا پنکھا بھی بند کر دیا کرتی تھی مگر دن بھر یہی خاک اور دھول اڑا کرتی تھی۔

سامنے سڑک پر ایک تانگا چلا آرہا تھا جس میں سات آٹھ میلی میلی عورتیں ٹھنسی ہوئی تھیں۔ تانگے والا پائیدان پر بیٹھا باآواز بلند نصیبو لال کے گانے گا رہا تھا اور تانگے والیاں شرم سے مری جا رہی تھیں۔

دفعتاً تانگا رکا اور ایک برقعے والی عورت عین ان کے گھر کے سامنے تانگے سے اتر گئی۔

آسیہ گھبرا کر نیچے جانے والے زینے کی طرف دوڑی۔

"کم بخت خالہ بتول ہو گی۔ ایک افسانہ طراز عورت ہے۔ اگر کہیں اس نے مجھے وہاں کھڑا دیکھ لیا تو ابھی کہانی بن جائے گی۔"

مگر خیر ہوئی‘ خالہ بتول تو "باباجی" کی وفات حسرت آیات پر اتنی دکھی تھی کہ اسے فرصت ہی نہ تھی کسی اور کی طرف دیکھنے یا یہ جاننے کی کہ میاں ملکانے کی یہ لڑکی بھری دوپہر میں "مغلی ولی پرند فروش" کی دکان پر بیٹھے ولی محمد عرف لے کو دیکھنے کن جتنوں سے اوپر آتی تھی۔

کون جانتا تھا؟

اور کسی کو جاننا بھی نہیں چاہیے۔ یہ حبابوں کی بنیادوں پر قائم حویلیاں‘ جہاں اعصاب زدہ اور ہوائی عورتیں رہتی ہیں۔ وہاں ان کہانیوں کو پریشر ککر کے والو سمجھنا چاہیے‘ جہاں سے پھک پھک بھاپ نکلتی رہتی ہے اور ککر کو پھٹنے نہیں دیتی۔ چھوٹے چھوٹے روزن‘ ننھے ننھے رخنے‘ آدھے ادھورے منظر‘ کبھی کبھار مرگی کے دورے‘ کہیں دم درود والے مخصوص بابوں کا آنا جانا۔ ان کہانیوں کو بے ضرر سے قصے سمجھ کر بھول جانا چاہیے اور بتول جیسی عورتیں ایسا ہی کرتی ہیں۔ ہاں اگر وہ یہ واقعہ چھیدے سنار کے ہاں دیکھتی تو ضرور اس لڑکی کی ماں سے جا جڑتی کیونکہ اگر کل کلاں کو لڑکی بھاگ جاتی تو ذمہ داری تو خالہ بتول کی تھی نا!

مگر آسیہ؟ اونہہ! وہ کوئی لڑکی تھوڑا ہی تھی جو

انحتی عمر میں منہ زور ندی کی طرح اپنے آگے آنے
والی ہر رکاوٹ کو دھکیل کر آگے بڑھتی جاتی ہے۔ وہ تو
شوکا وہ آنسو تھی جو صدیاں گزرنے پر بھی جہاں گرا تھا'
آج بھی وہیں ہے۔ نیلگوں' واماندہ' اداس۔ اس کی پوجا
کی جاسکتی ہے' اسے بوتلوں میں تبرکاً' بانٹا جاسکتا ہے
مگر اس سے گرہستی کی ہانڈی نہیں پکائی جاسکتی اور نہ
ہی پیاس بجھائی جاسکتی ہے۔

عجیب تو کوئی بات نہ تھی۔ وہی جو ہر جگہ ہوتا ہے
اور جن زمانوں کا یہ ذکر اس دور میں تو ایسی حویلیوں میں
ایسی کہانیاں بڑی عام تھیں۔

جب اباجی کا انتقال ہوا تھا تو چھوٹے بھائی یعنی باسط
نے جو کہ ابھی صرف پندرہ سال کا تھا۔ جی جی کے وٹے
پر شادی رچالی۔ بڑی آپی کو ان ہی دنوں دورے پڑنے
شروع ہوئے تھے۔ ارے وہی کم بخت مرگی کے
دورے' جن کی جان کو روتے روتے ہمارا آدھا ادب اور
پونے ادیب ختم ہوگئے۔ دورے بھی ایسے ظالم کہ نہ
خوشی دیکھتے نہ غم۔ کھڑی کھڑی آپی دھڑ سے گرتیں۔
دانت بھنچ جاتے آنکھیں اوپر چڑھ جاتیں اور منہ سے
جھاگ بہنے لگتے۔ آسیہ سہم کر رہ جاتی۔

ہوش میں آنے پر آپی دنوں تکیے میں منہ دے کر
پڑی رہتی یا رسالے کتابیں پڑھا کرتی مگر نتیجہ؟
ایک اور دورہ' پہلے سے بھی زیادہ خطرناک۔

ان دنوں وہ ایم اے انگلش کے دوسرے سال میں
تھی۔ بھائی نے اباجی کے مرتے ہی اسے یونیورسٹی سے
ہٹالیا' وجہ۔۔۔؟ بھائی کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی
محبت۔ وہ اپنی دونوں بہنوں پر جان چھڑکتا تھا۔ ان کے
پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار کھڑا تھا۔

ہاں جی جی کی وہ جان کا دشمن تھا اور جی جی کو وہ کون
سا پسند تھا؟ جب آتی' ہزاروں طعنے دیتی کہ اس کی نند
کے ذریعے کمینوں کی طرح اپنے حصے کا مطالبہ سسرال
بھجواتا ہے۔ پہلے دے' میں سیدھے ہاتھ اس کا حصہ پھر
بات کرے مگر ایسی باتیں بھائی کانوں میں مار جاتا تھا اور
رہی جی جی تو وہ تھی ہی بدتولی اور بے صبری۔ ایک سال
کے وقفے سے دو دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا اور اب
ایسی "میاں والی" ہوئی تھی کہ بس۔

"ایسی لالچی بہن بھی خدا کسی کو نہ دے۔" آسیہ
اکثر سوچا کرتی۔

اسے قلق تھا کہ وہ ایم اے پورا نہ کرسکی مگر اسے یہ
بھی معلوم تھا کہ اباجی کے بعد بھائی اس کے لیے زیادہ
حساس ہوگیا ہے اور بڑی آپی کی بیماری نے رہی سہی
کسر بھی پوری کردی تھی۔

وہ تو بھلا ہو خالہ بتول کا' کہیں سے باباجی کو ڈھونڈ
لائی۔ تھے تو ایسے ہی مگر اللہ جانے کیا دم کسی نے ان کو
بخشا ہوا تھا کہ دنوں میں ہی آپی بھلی چنگی ہوگئی۔ نہ کوئی
دوا' نہ دارو۔ چہرے پر گلاب سے کھلتے اور چال میں
پہاڑی ندیوں کی سی جولانی۔

واقعی بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ اپنے دل
سے لاپروا۔ مست الست۔ جلال آتا تو ایک کرتے کے
دو کرتے کرکے پرے پھینکتے اور ڈنڈا لے کر واہی تباہی
بکتے نوکرانیوں پر لپکتے جو ہنستے ہنستے ادھر ادھر چھپ
جاتیں۔ مشکلوں سے قابو میں لائے جاتے۔

مگر یہ تو کبھی مہینوں میں ہوتا تھا' ورنہ عام طور پر
باباجی گم صم ایک مخصوص در سے ٹیک لگائے بیٹھے
رہتے' بیٹھے ہی رہتے۔ دن چڑھتا تھا' ڈھل جاتا تھا۔
کھانا کسی نے لادیا تو کھالیا' نہ دیا تو مانگا بھی نہیں۔ کئی
دفعہ ایسی مجذوبیت کی کیفیت طاری ہوتی کہ بول و براز کا
بھی پتہ نہ رہتا اور رال بہہ بہہ کر کرتا تر ہوجاتا۔

فاطمہ مارے حسد کے کہتی تھی۔

"خالہ بتول کا بھانجا ہے اور ڈھونگ رچائے پڑا
ہے۔"

سچ ہے بھئی جو جس کے دل میں ہوتا ہے' وہی وہ
دوسرے کو سمجھتا ہے۔ فاطمہ کو موقع ملتا تو وہ ضرور ہی
ڈھونگی ملنگ بنتی۔

بہر طور باباجی کے آجانے سے اتنا تو آسرا ہوا تھا کہ
اب کے جب آپی کو دورہ پڑا تو باباجی کے دم کی برکت
سے اگلا دورہ کئی ہفتوں بعد پڑا اور پھر ہوتے ہوتے یہ

مصیبت ختم ہی ہوگئی مگر تماڑ جیل جیسی ان حویلیوں
میں ایک مصیبت کی دم دوسری مصیبت کے منہ میں
ہوتی ہے۔ اب آسیہ کی جان مصیبت میں۔ سدا کی
پرندوں کی شوقین۔ بے شمار پرندے تو پہلے ہی گھر میں
پلے ہوئے تھے۔ ایک دن کسی نوکرانی نے کہہ دیا کہ
ولی محمد عرف للے کی دکان پر ایک بے نظیر طوطا آیا ہے
جو بے شمار باتیں کرتا ہے مگر کم بخت چار ہزار سے کم
میں دینے کو تیار نہیں۔

آسیہ نے بھائی سے کہا اور بھائی آسیہ کی بات نہ
مانے۔ طوطا پنجرے میں اور پنجرہ برآمدے کے در میں
کھونٹی سے لٹک گیا۔

"مٹھو میاں؟"

"نہ میاں؟"

"چوری کھاؤ گے؟"

"خود کھالونا۔"

"اچھا کلمہ سناؤ۔"

"کون سا کلمہ؟"

"پہلا کلمہ۔"

"پہلے تم سناؤنا۔"

ہنستے ہنستے آسیہ لوٹ پوٹ ہوجاتی۔ طوطا حاضر
جواب نہ تھا۔ اسے مکالمے ہی ایسے سکھائے گئے
تھے۔ للے کی دکان یہ سامنے ہی تو تھی۔ اوپر بارہ دری
کے سرے والے در سے ذرا ایڑیاں اٹھا کر دیکھو تو
سامنے ہی رنگ برنگے پنجروں میں نوع بہ نوع کے
پرندے نظر آنے لگتے ہیں۔ مرغ' بٹیرے' تیتر' لال
مرے' آسٹریلین طوطے' مولے' کبھی کبھار کوئی
خرگوش یا نیولا بھی کسی پنجرے میں نظر آجاتا ہے اور
ہاں۔ الو۔ للے کی دکان پر یہ بڑا بڑا الو بکا کرتا تھا۔
کالے برقعوں والی مشٹنڈی عورتیں یہ الو خرید کر
لے جاتی تھیں۔ فاطمہ کا کہنا تھا کہ ذرا دور شاہ بڑے
کے مزار کے پچھواڑے ایک بابے کا ڈیرہ تھا جو سفلی'
کالی' جلالی' کمالی ہر طرح کی جوڑ توڑ کرتا تھا۔ عورتیں
تو ٹونے' چینی کی پلیٹیں' زعفران کی ڈبیاں' تالے'
سوئیوں کے پتے' بالوں کے گچھے اور ایسی ہی دیگر
پراسرار چیزیں لے کر وہاں جاتی تھیں اور پھر راتوں کو
شاہ بڑے کے احاطے والے اور حویلی کے پچھلے
قبرستان میں ٹوٹی پھوٹی قبروں میں لے جاکر دبا دیتی
تھیں۔ اب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کی مرادیں
پوری ہوتی تھیں کہ نہیں مگر للے کا کاروبار خوب ترقی
کررہا تھا۔ نہ جانے وہ اتنے موٹے موٹے الو کہاں سے
پکڑا کرتا تھا؟

فاطمہ ہی کے کہنے پر ایک دن اس نے گلی میں
جھانک کے ولی محمد کو دیکھا تھا۔ ولی محمد کوئی پہلا اور آخری
موذی تو نہیں تھا بلکہ سالوں پہلے اس کے ساتھ
پڑھنے والے خوش شکل' مہذب' کم عمر لڑکوں اور سوبر
استادوں کی نسبت تو ایک تھرڈ کلاس دکاندار تھا مگر
حبابوں کی صورت میں قائم ان حویلیوں میں جب
دوپہروں کا سناٹا بھورے رنگ کا نقاب اوڑھ کے دم
گھونٹنے آتا ہے تو ایسے ہی رخنے' روزن اور درزیں
چاہیے ہوتی ہیں' جہاں سے فقط تازہ ہوا آتی ہے اور
رہائی کی تدبیر کرنے کی خاطر تا عمر بھی کھرچتے رہو تو کچھ
حاصل نہ ہو۔

اسے اکثر ڈاکٹر جعفر یاد آتے تھے۔ ادھیڑ عمر سوبر
سے مرد بہترین انگریزی بولنے والے۔ حمید کی
کہانیوں کے ہیرو۔ ان کے دفتر میں ہر وقت وکٹورین
دور چھایا رہتا تھا۔ چائے کی پیالیوں سے اٹھنے والی
بھاپ' کھڑکی کے باہر اداس میں جھکے ہوئے لیموں کے
درختوں کی خوشبو اور ان سب پر بھاری۔۔۔ سر کی بھاری'
گونجیلی آواز۔ کیٹس کے اوڈس پڑھتے ہوئے جب وہ
اپنی عینک کے اوپر سے اسے دیکھتے تو اس کی ایڑیوں میں
ایسی ہی سنسناہٹ دوڑ جاتی تھی جیسی اب بارہ دری
کے سرے والے در سے للے پرند فروش کو جھانکتے
ہوئے دوڑتی تھی۔

سر جعفر کی نظر میں بھلا نہ تھا مگر کچھ ایسا تھا کہ دل
اس کے نیچے دبتا ہی چلا جاتا تھا مگر ایسی نظریں گئے
لیے کس کام کے کہ خوابوں میں انسان ان کی گرد کو نہ

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

پہنچ سکے۔ سر جعفر کی بیوی کوئی جرمن اسکالر تھی۔ بڑی توپ شے۔ آسیہ یعقوب ملکانا کو سر جعفر گھاس بھی نہ ڈالتے تھے۔ ایک عام سی شاگرد عام سے خدوخال دبتی ہوئی انگریزی اور لکھائی میں ایسی بکی کہ پڑھنے والا جھنجلا ہی تو جائے۔ خوابوں پر تو کسی کا اجارہ نہیں؟ سو وہ بھی سالوں سر جعفر کو خوابوں میں دیکھتی رہی۔ قسط وار خواب۔ جاگ بھی جاتی تو دم مارے پڑی رہتی کہ خواب کا دوسرا حصہ خود ہی گھڑ لیا جائے مگر دس سال سے خوابوں کا جالا بنتے بنتے اب اس کے اعصاب بھی جواب دینے لگے تھے۔ دس سال سے وہ اس گھر میں بند تھی۔

بند ہوتی تو شاید اتنا غم نہ تھا۔ دنیا کی سب کھڑکیاں چاروں طرف سے اس پر کھلی تھیں۔ گاڑی ڈرائیور لو' جہاں مرضی گھومو پھرو' ٹی وی دیکھو' کتابیں پڑھو' فون کرو مگر اے پیاری بہنو! جی جی کی باتوں میں مت آؤ۔ جو روز ان کے لیے رشتے لے کر چلی آتی تھی' بھائی حلق کے بل چنگھاڑتا۔

"تم سمجھتی ہو مجھ پر میری بہنیں بھاری ہیں' دو وقت کی روٹی نہیں دے سکتا۔ شہزادیوں کی طرح رکھا ہوا ہے میں نے انہیں۔ بات کرنے نہیں دیتا اور تم لے آتی ہو وہاں سے بھک منگوں کے رشتے میری بہنوں کے لیے لالچی کتوں کی طرح رال ٹپک رہی ہے تمہاری ساری سسرال کی۔"

"کیسا ہمدرد اور پیارا بھائی ہے۔" وہ رندھے گلے سے سوچتی۔

مگر جی جی بھی ایک شطا عورت تھی۔ آخری مرتبہ جب وہ اپنے چچا ساس کے بھانجے کا رشتہ لائی اور بھائی نے اس بے بھاؤ کی سنائیں تو جاتے جاتے کہہ گئی کہ۔

"ہاں خوب سمجھتی ہوں تمہاری محبت کو۔ اپنی شادی کرنے کے لیے مجھے اپنے سے بیس سال بڑے آدمی سے بیاہ دیا اور ان چھوٹوں کے لیے محبت پھٹی پڑتی ہے۔ اکیلے کھانا چاہتے ہو سب کچھ۔ خدا سے ڈرو۔"

پتھر جیسا دل ہے جی جی کا۔ بھائی تو اس کے جانے کے بعد دونوں بہنوں کو گلے لگا کر رو دیا کہ بس۔ کیا ہوتے ہیں ایسے بھائی آج کل؟ بھائی تو بہنوں کو بوجھ سمجھ کر سر سے پرے اتار کر پھینکتے ہیں۔

بہنوں کی محبت ہی تھی جو وہ بابا جی جیسے مجذوب کو گھر میں برداشت کر رہا تھا' ورنہ پڑا رہنے دیتا وہیں شاہ بڑے کی درگاہ پر انہیں اور جب دم کرانا ہوتا تو خود ہی نوکرانیوں کے ساتھ دھکے ٹھڈے کھا کر کرا آتی دم۔ آرام ہوتا یا نا اس کی بلا سے۔ یہ تو نہیں کہ لا کے سالم سالم بابا ہی گھر میں رکھ لیا۔ بھابھی نے بھی شروع شروع میں ناک بھوں چڑھائی مگر دیے بھائی نے دو ہاتھ گدی پہ اور آج تک وہ پھر کچھ نہ بولی۔

بابا جی کا انتقال بھی ایک معمہ ہی ہے۔ ان کے مرنے سے کچھ دن پہلے ایک دوپہر آسیہ یہیں اوپر کھڑی تھی کہ اس نے بابا جی کو چوٹوں کی طرح گلی میں نکلتے دیکھا۔ اس وقت وہ پورے ہوش مند لگ رہے تھے۔ نہ رال بہہ رہی تھی نہ ناک سڑک رہی تھی' نہ آنکھوں میں دیوانگی تھی اور نہ چہرے پہ پاگل پن۔ ہاں وہ کچھ مشکوک سے ضرور لگ رہے تھے' ڈرے ہوئے مگر ابھی وہ ملے کی دکان تک بھی نہ پہنچے تھے کہ حویلی کے دو ملازم آن پہنچے اور ان کو زبردستی [illegible] کر کے واپس لے آئے۔

اس دن بابا جی کو زنجیر ڈال کر در سے باندھنا پڑا۔ بڑی آپی کو سالوں بعد پھر دورہ پڑا اور جب وہ آپی کو دوا دے کر اور سلا کر باہر آئی تو ان کے پلنگ کے نیچے اسے ایک ادھ کھلا سوٹ کیس پڑا نظر آیا۔ اللہ جانے بڑی آپی کہاں جانے کی تیاری کر رہی تھیں؟

اگلے دن حویلی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ بابا جی در کے ساتھ بیٹھے بیٹھے دم دے گئے اور آپی کے دورے ناقابل علاج ہو گئے۔

بابا جی کو خوب اہتمام سے نہلا دھلا کر وہیں صحن میں دفن کر دیا گیا۔ چند ہفتوں ہی میں مزار مرجع خلائق ہو گیا مگر صرف زنانہ۔ عورتیں تو یوں ہی مزاروں'

[illegible]یں' دھاگوں کی شوقین ہوتی ہیں۔ یہ فل ٹائم زنانہ [illegible] ملا تو کھوے سے کھوا چھلنے لگا۔ آپی کے دورے [illegible] ایک عجیب سی دیوانگی میں ڈھل گئے۔ وہ چپ [illegible] کی رہتی' بیٹھی ہی رہتی اور پھر ایک دم چیخ مار کر کپڑے پھاڑ ڈالتی اور حال سے بے حال ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ اسے قابو کرنے والے بھی تھکنے لگے اور آخر ایک دن کسی نے بابا جی کی متبرک زنجیر سے اسے اسی در کے ساتھ باندھ دیا۔ نہ جانے اسے کیا ہوا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور پھر کسی پالتو بلی کی طرح چپکی ہو بیٹھی۔

مہینوں گزر گئے پھر کبھی آپی کو دورہ نہ پڑا۔ لو جی' سارے میں اڑ گئی۔ اب جو کسی عورت کو ہسٹیریا یا مرگی کا دورہ پڑتا' اسی در سے لا کر باندھ دیا جاتا اور یا تو وہ [illegible] وقت گزرنے کے ساتھ اس دماغی کیفیت سے [illegible] آتی یا وہیں دم دے جاتی۔ دونوں صورتوں میں لوگ راضی۔

آسیہ اس ماحول سے گھبرانے لگی تھی۔ بھائی تو کب سے پچھلی طرف کی پرانی عمارت کو ڈھا کر جدید وضع کا بنگلہ بنوا چکا تھا۔ اس پرانی حویلی میں اب وہ تھی' آپی اور بہت ساری پاگل' غیر شادی شدہ' شادی شدہ' ٹھکرائی ہوئی عورتیں' بے بس' چھچھوندی کی طرح حقیر مگر جن کے دلوں اور ذہنوں میں اتنی تلخی تھی کہ زہریلے ناگ بھی شرما جائیں۔

دن رات لنگر پکتے' بٹتے۔ جن کی مرادیں پوری ہوتیں' وہ نیاز گزارتیں' جنہوں نے نئی مراد مانگنی ہوتی وہ پیشگی نذرانے دیتیں۔ آپی کے ساتھ ساتھ اسے بھی [illegible] نما پیرو کہا جانے لگا مگر وہ آسیہ یعقوب ملکانا ہی رہنا چاہتی تھی۔ وہ گھبرا گھبرا کر چھت پر آ نکلتی اور دھوپ اور گرد سے بھری گلی میں بیٹھے لے پرند فروش کو دیکھا کرتی۔

اب وہ منٹوں سیکنڈوں نہیں' گھنٹوں بے شرموں کی طرح اسے دیکھا کرتی۔ کچے سانولے رنگ کا کچی عمر کا مرد جو ہمیشہ شلوار قمیص ہی پہنتا تھا۔ زیادہ تر واش اینڈ ویئر کی سفید یا نیلی شلوار قمیص۔ شلوار ہمیشہ اس کے ٹخنوں سے بھی اوپر ہوتی اور اس کے پائینچوں سے اس کی آبنوسی پنڈلیاں جھانکا کرتیں۔ سخت گرمی کے دنوں میں وہ قمیص بھی اتار کر رکھ دیا کرتا اور فقط ایک جالی سا بنیان اور شلوار پہنے بیٹھا رہتا تھا۔ لوگ آتے درجنوں کے حساب سے بٹیرے خریدتے' وہ منٹوں میں بٹیرے ذبح کر کے ان کے پر اور کھال اتار کر سرخ بوٹیاں سی بنا دیتا۔

کوئی شوقین' پالنے کے لیے تیتر لینے آتا تو وہی لمبا رحم اور شفقت کا مرقع بن جاتا۔ ابھی جس جال میں اس نے قصائی بن کر ہاتھ ڈالا تھا' اسی جال میں ہاتھ ڈال کر پچکارتا' ڈھونڈ کر ایک چنیدہ دانہ نکال کر ایک مٹھی سے دوسری میں منتقل کرتا' بٹیرے کی بولی بولتا' گدی کے پیچھے سے دھلی ہوئی کٹوری نکال کر اسے پانی پلاتا اور اتنی محبت سے اسے رخصت کرتا کہ لینے والا بھی اس کے خلوص کے آگے شرمندہ ہو جاتا۔

ٹینڈے اور آلو خریدنے والی عورتوں سے بات کرنے کا اس کا اور ہی انداز تھا۔ بے گانہ' بے نیاز' ایسے میں وہ بے دھیانی سے بازو کھجانے لگتا یا دکان کے پچھلے حصے میں کوئی بے حد غیر ضروری چیز ڈھونڈنے چلا جاتا۔ بار بار پوچھنے پر اتنی اونچی قیمت بتاتا کہ مخاطب لمحہ بھر کو چکرا جائے اور اگر وہ عورت قیمت پر ناک بھوں چڑھاتی تو وہ اونچی آواز سے اس کا نام لے کر بولنے لگتا۔

"اللہ وسائے کی ماں! یہ آلو تم نے سالن میں تو ڈالنا نہیں ہے۔ اتنا شور نہ مچاؤ۔ معلوم ہے مجھے اپنی بہو پر جادو شادو کرانے لے جا رہی ہو' پیسے تو پھر لگیں گے ہی نا۔"

بدنامی کے ڈر سے برقع پوش عورتیں منہ مانگی رقم ادا کر کے جانور لے جاتیں۔

یہ بھی ایک دنیا تھی۔ آسیہ پنجوں کے بل اچک اچک کر دیکھتی رہتی تھی۔ بارہ دری کے در میں اس کا پالتو طوطا پنجرے میں سے ہانک لگاتا۔

"آتے جاؤ، ہنستے جاؤ۔" اور آسیہ پر بے ضرورت ہنسی کا دورہ سا پڑ جاتا۔ ہوا کے دوش پر یہ ہنسی کبھی کبھار لے پرند فروش کے کانوں تک بھی جا پہنچتی۔ شاید اسے معلوم بھی ہوتا ہو کہ یہ ہنسی کی آواز کہاں سے آرہی ہے مگر اس کی پلے ہوئے سانڈ جیسی گردن کبھی اس رخ میں نہ اٹھی۔ میں نے کہا نا کہ یہ ہنسی بے کار ہنسی ہوتی ہے۔

ایسی حویلیوں سے ابھرنے والی کھانسیاں اور ہنسیاں پریشر ککر کی پھک پھک ہوتی ہے۔ ایک کان سے سنو، دوسرے سے نکال دو۔ اگر مڑ کے دیکھو گے تو پتھر سے بدل جاؤ گے۔ لما بھی ان ہی گلیوں میں رل کے پلا بڑھا تھا۔

سینکڑوں مرتبہ حویلی میں مرغ بازی، بٹیر بازی اور دیگر "بازیوں" میں بطور منہمم یا مہمان بھی موجود رہا تھا۔ افسران بالا کے لیے نئے بنگلے میں کی جانے والی دعوتوں میں بٹیر، تیتر اور مرغابی وہی فراہم کرتا تھا، جنہیں بھابھی "لیجیے نا، آپ کے بھائی خود شکار کرکے لائے ہیں" کہہ کر مہمانوں کو بصد اصرار کھلاتی تھیں۔ اس کے علاوہ جب بھی شکار پارٹی ناکام آتی (اور اب تو اکثر ایسا ہی ہوتا تھا، جانور رہ ہی کہاں گئے تھے) تو بھی لما ہی متبادل پرندے فراہم کرتا تھا۔

اسے آج بھی یاد تھا کہ ایک دفعہ اس کا باپ کہیں سے دو ہرن مار کر لایا تو بطور خاص حویلی بھجوائے گئے تھے۔ "غالباً" وہ اس علاقے کے آخری ہرن تھے۔

اس سارے پس منظر کے بعد اگر وہ حویلی سے ابھرنے والی ہنسی پر کان دھرتا تو اسے بھی بابا جی والے انجام کے لیے تیار ہو جانا چاہیے تھا۔

اس دن تو بڑی مصیبت ہو گئی، کسی نے ایک پاگل لڑکی لاکر در سے باندھی۔ حسب معمول وہ چلاتی رہی کہ میں پاگل نہیں ہوں مگر وہاں کون سنتا تھا۔ ہر پاگل یہی کہتا ہے۔ لیکن دو گھنٹے بعد بھائی گھبرایا ہوا آیا۔ اب وہ زنانے میں بالکل نہیں آیا تھا۔ ایک تو وہاں ڈھکی کھلی پاگل عورتیں پڑی رہتی تھیں۔ دوسرے اب اسے جنوں سے وہ محبت بھی نہ رہی تھی۔ خاک کے پ… توجہ، بے توجہی کسی بات کا گلہ نہیں کرتے… تیسرے وہ اتنا موٹا ہو گیا تھا کہ اسے اپنے بنگ… پڑے رہنے ہی میں لطف آتا تھا۔ خدا نے اسے… بیٹے دیے تھے۔ فرعون تو پھراتے مال و زر پر خود… تھے، یہاں تو ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ پر فرعون بیٹھے ہیں۔

غرض بھائی جواب ایک چھوٹا موٹا رعمیسس… تھا، گھبرایا ہوا آیا اور اس عورت کو کھولنے کو کہا… بڑی آپی کے پلو سے بندھی تھی جو آج کل سکون… دوا کی دو گولیاں کھا کر دوسروں کو ستایا کرتی تھی… نے جھٹکے سے چابی اور لڑکی کو کھولا گیا۔ لڑکی بڑی… بھائی کو برے انجاموں کی دھمکیاں دیتی قافلے… ساتھ چلی گئی۔

معلوم ہوا اس لڑکی نے گھر والوں سے چھپ… ایک اے ایس آئی سے نکاح کر لیا تھا۔ اب گھر… دوسری جگہ نکاح کرنا چاہ رہے تھے مگر لڑکی نے شور… دیا کہ نکاح پر نکاح حرام ہے۔ باپ بھائی نے بدنامی… خوف سے اسے پاگل مشہور کر دیا اور یہاں باندھ… کہ یا تو مر جائے گی یا خود ہی تائب ہو جائے گی مگر ا… ایس آئی نے طوفان کھڑا کر دیا۔ رپورٹر اور کیمرے… این جی اوز والے، وہ تو بھائی کی زبردست پی آر کام… ورنہ کیا عزت رہ جاتی دنیا میں کہ حویلی سے پولیس… لڑکی کو برآمد کر کے لے گئی۔

بھابھی منہ بھر بھر کے اس کو کوس رہی تھی ا… حسرت سے بھابھی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک میاں… والی عورت کے دل کی لگن، چہرے پر شادی شدہ… کی ذمہ داری چھاپ۔ اگر کبھی کوئی غم آیا بھی تو… خوشی بھی تو ملی ہوگی؟

آنکھوں کے گوشوں میں مسکرانے کی لکیریں… بھنوؤں میں مصنوعی گھوری جو مسکراتے ہونٹوں… ساتھ کتنی پیاری لگتی ہے۔ ذرا ذرا سا پھیلا ہوا وزن… چمکیلے بال جو ہلکے ہو کر اور زیادہ باوقار لگنے لگے… گدبدے سے ہاتھ اور ان میں موٹی موٹی ہیرے کی…

…یں۔ …یہ گھر بار والی عورتیں کتنی خوش باش ہوتی…

…ں نے تاسف سے آپی کو دیکھا جو دوا لینے کے بعد …سو کھ گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد پڑے حلقے، …کھوں میں اندر دھنسے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ بالوں کا …سیاہ ہی تھا مگر چہرے پہ پھٹکار اور نحوست تھی اور …ں میں دیوانگی۔ ایک بے سمت اور بے مقصد سفر کا …ل دکھ۔

…ڈاکٹر اسے سکون دوا کے ٹیکے لگانے آتا تھا۔ اس …ایک بار اسے ماں جی کہہ دیا تو وہ آنکھیں نکال کر …کی طرح چلائی۔

"ماں جی، تیری بہن ہو گی ماں، تیری ماں ہو گی ماں، تیرے سارے اگلے پچھلے ماں جی، جہنم جلے تو خود …ہی۔"

…اور اس کے بعد سے وہ جب بھی آتا آپی دوپٹہ منہ پر …کر جو ہنستی تھی تو اس کے جانے کے بعد تک ہنستی …تی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کر کے لوٹ جاتا تھا۔

…یسی منحوس لگڑ بگے کی سی بے مقصد ہنسیوں پر …دینے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں اور عمر بھر …ورت دیوار رہنا کسے پسند ہے؟

…ر آسیہ ساری زندگی دیوار پہ دستک بننا نہیں چاہتی… شاید وہ بے صبری تھی؟ خالہ بتول صبر کی تفسیریں …تی تھیں۔ "مستقل مزاجی، صبر کا مطلب ہے …شال۔ ایک طریقہ جو پکڑ لو تو پکڑے رہو، اسی میں …ئی ہے۔"

…اور آسیہ کا صبر اب پیمانے کے کناروں سے اوپر …و بے تاب تھا۔ سولہ سال سے وہ لے پرند …ں کو دیکھ رہی تھی۔ بس یوں ہی جیسے وہ جیے جا رہی …سی احساس کے بغیر اسی طرح وہ روزانہ لے کو …مگر اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا …ی بھی کیا بے اعتنائی۔

…نے ہوئے ژولیدہ اعصاب اسی ڈگر پر چل نکلے۔

بارہ دری سے ابھرنے والی دیوانی ہنسی بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ طوطا (یہ نیا طوطا تھا) اب سبق رٹتے رٹتے تھک کر میں میں کرنے لگا مگر لے کی جھکی ہوئی گردن کبھی اونچی نہ ہوئی۔

آسیہ کو اب ڈپریشن کے دورے پڑنے لگے۔ پہروں تکیے میں منہ دیے رویا کرتی۔ گھنٹوں بند کمروں، دالانوں میں گھومتی یا بے مقصد آسمان کو تاکا کرتی، جہاں گوشت کی منتظر چیلیں پر پھیلائے ہوا میں تیرتی پھرتی تھیں۔ کبھی اس کا جی چاہتا، برقع اوڑھ کر باہر نکل جائے اور لے کی دکان سے سارے پرندے خرید لائے۔ کوئی گاہک اس کی دکان پر نہ آئے اور وہ بھی اس کی طرح فارغ آسمان کو تاکا کرے مگر صدر دروازے سے باہر کی دنیا اب عرصے سے شجر ممنوعہ تھی اور ڈرائیور گاڑی بھتیجوں کے قبضے میں۔ دو جوڑے اور دو روٹی سے زیادہ اب ان عورتوں کو اور چاہیے بھی کیا تھا۔

بڑی آپی چالیس کے پیٹے میں جانے کے بعد بڑا سنبھل گئی تھیں اور اب وہ انگڑائی گزشتہ حالت سے چونک کر بڑے بڑے مسئلے مسائل بیان کرنے لگتی تھیں۔

"اللہ پاک سورہ نساء میں فرماتا ہے کہ "ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔"" کبھی بیٹھے بیٹھے کہتی۔

"اے ایمان والو! نکاح ایک قلعہ ہے۔ اپنے بچوں، بچیوں کو اس قلعے میں محفوظ کرو۔"

اور "نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت کے خلاف کرتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

خالہ بتول نے بھابھی کی ہدایت کے تحت اس کی مسکن دوا کی مقدار بڑھا دی تھی مگر وہ باز نہیں آتی تھی۔

پچھلے چند سالوں سے لوگ اپنی کنواری لڑکیوں کو مزار کی خدمت کے لیے چھوڑ جاتے تھے کیونکہ یہ بھی مشہور ہو چکا تھا کہ جو لڑکی بابا جی کے مزار کی خدمت

کرے گی' اس کی جلد شادی ہو جائے گی۔ آپی اکثر ان لڑکیوں سے کھسر پھسر کرتی پائی جاتی تھیں اور پھر وہ لڑکیاں اگلے ہی دن وہاں سے رفوچکر ہو جاتی تھیں۔ مزار کا انتظام بگڑنے لگا تھا۔ کئی جمعرات سے چیٹی بھی بکی ہی رہتی تھی۔ بھائی کو اس کا بڑا غصہ تھا مگر وہ بے صبرا نہیں تھا' مرد جو تھا۔ عورت کا یہی وصف تو سب سے برا ہے' وہ بے صبری ہے مگر یہی بے صبری نئی دنیائیں آباد کراتی ہے۔

خیر یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب بھائی اور بھابھی اپنے بیٹے کی گریجویشن پر یو کے گئے ہوئے تھے اور آپی دن رات دواؤں کے زیر اثر غافل پڑی رہتی تھیں۔ ہوش میں آتی تو طلاق' حلالے' موت کے منظر اور نماز جنازہ کے مسائل' نیز مختلف فرقوں میں مردہ نہلانے دھلانے اور کفنانے دفنانے کے مسائل کی بے حد ہولناک باریکیاں بیان کیا کرتی اور جملہ حاضرین کو جی بھر کے دہلاتی۔

آسیہ پر ان دنوں ایک عجیب سی جھنجلاہٹ سوار ہو چکی تھی۔ اس کے چڑیا خانے میں دنیا جہان کا جانور بند تھا مگر اب وہ دن رات ایک ہی رٹ لگائے بیٹھی تھی۔ "مجھے الو چاہیے۔"

الو اور بندر مزار کے احاطے میں ممنوع تھے مگر آسیہ کو عجیب بخار سوار ہوئی تھی۔ کوئی بھلا جانور ہو تو بات ہے۔ یہ موا نحوست پھیلانے والا پرندہ ہی کیوں چاہیے تھا؟ شاید وہ سوال ہی سننا چاہتی تھی۔ کیوں' کس لیے؟ مگر سوال بھی نہ ہوا اور ایک دن چھپ چھپا کے الو آ ہی گیا۔

اب اوپر بارہ دری میں الو رات بھر اپنی منحوس آواز میں ٹوہو ٹوہو کرتا اور آسیہ پر بے ضرورت ہنسی کا دورہ پڑ جاتا۔ فاطمہ سے اس کی کھسر پھسر اب زیادہ ہی بڑھنے لگی تھی۔ فاطمہ کی دونوں بہوؤں نے اسے کب کا گھر سے نکال دیا تھا اور اب وہ دن رات ان کے مرنے کی بددعائیں کیا کرتی تھی۔

چڑھتے چاند کی کوئی رات تھی کہ پچھلے قبرستان میں دو عورتیں پرانی قبر کی پائنتی کچھ دبا رہی تھیں۔ بارہ دری میں الو کا پنجرہ خالی پڑا تھا اور ہوا کیکروں میں بڑے زور سے سنسنا رہی تھی۔

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فاطمہ کی بہو دونوں چٹ پٹ ہو گئیں اور یہ بھی دیکھا کہ آسیہ یعقوب عرف بی بی طاہرہ کے چڑیا خانے میں بیمار مرغ زریں کو دیکھنے سرکاری ڈنگر ڈاکٹر نہ آیا بلکہ لمبا پرندہ فروش آیا اور اگلی بار لو برڈز کا نایاب جوڑا لانے کا وعدہ کر گیا پھر کئی نادر و نایاب پرندے لائے گئے۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔

ابھی برسات کا موسم ختم نہیں ہوا تھا اور ساون میں ساون کی سات کو لگنے والا میلہ اپنے زوروں پر تھا کہ اچانک ایک رات بھائی بھابھی بنا اطلاع کے واپس آ گئے۔

اگلی صبح بڑی ہنگامہ خیز تھی۔ آسیہ کو کسی زہریلی چیز نے کاٹ لیا تھا اور وہ وہیں اپنے چڑیا خانے میں مری پڑی تھی۔

نیلا چہرہ' نیلے ناخن' زہر کا آنسو' نیلگوں' دلاسہ اداس درجنوں نایاب پرندوں کے درمیان سے طائر حیات کیسے پھر سے اڑا۔

حویلی کی دیگر اموات کی طرح یہ بھی ایک واقعہ تھا۔ سب کچھ بڑی خاموشی اور وقار سے ہوا۔ حد یہ ہے کہ بڑی آپی نے بھی نماز جنازہ کے مسائل میں کوئی نئی بات نہ نکالی۔ ہاں بس جنازے پر ڈالا جانے والا سرخ جالی کا دوپٹہ بڑی بے دردی سے پرے پھینک دیا۔

گزرتے وقت کے ساتھ مزار اوقاف کے قبضے میں چلا گیا۔ آپی مر کھپ گئیں۔ بھائی اور بچے اسلام آباد میں رہتے ہیں۔

لما آج بھی اپنے تھیے پر بیٹھا ہے۔ برف سا سفید سر' رعشہ زدہ ہاتھ پاؤں' وہ آج بھی پرندے بیچتا ہے مگر الو نہیں۔ الو سارے پرانی بارہ دری میں رہتے ہیں اور رات بھر ٹوہو ٹوہو مچا کر لوگوں کو ستاتے ہیں۔